انسانی اخلاقی اقدار اور علامہ اقبال

ڈاکٹر ظہور اللہ الازہری، ایسوسی ایٹ پروفیسر (شعبہ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور)

تمہید

اس مقالہ میں پہلے اخلاق کا لغوی و اصطلاحی مفہوم بیان کیا جائے گا، اس کے بعد علامہ اقبال کا فلسفہ اخلاق بیان کیا جائے گا پھر وہ اخلاقی اقدار بیان کی جائیں گی جو قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں بیان کی گئی ہیں اور حضرت اقبال نے ان کو اپنے کلام میں بیان کیا ہے۔

اخلاق کا مفہوم

اخلاق "خلق" کی جمع ہے جس کے بہت سے معنی ہیں نرم کرنا، مزاج، عادت، کشادہ روی وغیرہ۔

امام راغب اصفہانی بیان کرتے ہیں:

وخُص الخُلُق بالقوی والسجایا المدرکۃ بالبصیرۃ قال اللہ تعالیٰ:{وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ}(۱)

خلق کا لفظ قوی باطنہ اور عادت وفضائل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جن کا تعلق بصیرت سے ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بے شک آپ کا خلق عظیم ہے"۔

امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں خُلق کی تشریح ان الفاظ میں بیان کی ہے:

فالخُلق: عبارۃ عن ھیئۃ فی النفس راسخۃ، عنھا تصدر الأفعال بسھولۃ ویسر من غیر حاجۃ إلی فکر ورویۃ، فإن کانت الھیئۃ بحیث تصدر عنھا الأفعال الجمیلۃ المحمودۃ عقلاً وشرعاً سمیت تلک الھیئۃ خلقاً حسناً، وإن کان الصادر عنھا الأفعال القبیحۃ سمیت الھیئۃ التی ھی المصدر خلقاً سیئاً(2)

خُلق نفس کی اس ہیئت راسخہ کا نام ہے۔ جس سے تمام افعال بغیر سوچے سمجھے بلا تکلف اور بلا تامل صادر ہوں۔ اگر یہ افعال عقلا وشرعا عمدہ اور قابل تعریف ہوں تو اس ہیئت کو خلق نیک اور اگر برے اور قابل مذمت ہوں تو اس ہیت کو خلق بد کہتے ہیں۔

پس اخلاق سے مراد انسان کا تمام بری عادتیں ترک کر دینا جن کی تفصیل شرع میں بیان کر دی گئی ہے اور ان سے ایسا ہی پرہیز کیا جائے جیسا کہ عام نجاستوں سے کیا جاتا ہے اور ان کے مقابلے میں تمام اچھی عادتوں کو اس طرح اپنا لیا جائے، کہ طبیعت ان کی طرف یک گونہ کشش اور شوق محسوس کرنے لگے، اور تمام بری عادتوں سے متنفر ہو کر نیک عادتوں کو ترجیح دینے میں خوشی اور تسکین پائے۔

قرآن کریم اور اخلاق حسنہ

قرآن پاک نے مختلف مقامات پر اخلاق حسنہ بیان فرمائے ہیں اور انہیں جس انداز سے ذکر کیا گیا ہے اس سے ان کی اہمیت واضح ہوتی ہے. مثلاً جہاں اللہ کے محبوب بندوں کے اوصاف کا ذکر ہے ان میں اخلاق حسنہ بہت نمایاں ہیں۔

سورہ الفرقان میں ارشاد ہے:

وَعِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ ہَوۡنًا وَّاِذَا خَاطَبَہُمُ الۡجٰہِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا o (۳)

اور (خدائے) رحمان کے (مقبول) بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل (اکھڑ) لوگ (ناپسندیدہ) بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے (ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں o

حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات ستودہ صفات کو مسلمانوں کے لیے بہترین نمونہ عمل اور اعلیٰ مثال ٹھہرایا، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ۔(۴)

بے شک آپ کا خلق عظیم ہے۔

قرآن حضور کو اعلیٰ ترین اخلاقی صفات سے متصف کرتے ہوئے اعلان کرتا ہے:

لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ۔(۵)

بے شک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لیے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لیے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔

اس آیت میں حضور نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی جس مہربانی اور شفقت و محبت کا ذکر کیا گیا ہے اسے زیادہ وضاحت کے ساتھ ایک اور جگہ نہ صرف آپ کی شفقت و نرمی کا ذکر کیا ہے، بلکہ سختی کی نفی بھی کی ہے۔

احادیث مبارکہ اور اخلاق حسنہ

حضور نبی اکرم ﷺ نے اخلاق حسنہ پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر اخلاق حسنہ کی فضیلت بیان کیسے کی جاسکتی ہے جب آپ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمادیا:

إنما بعثت لأتمم مکارم الأخلاق۔ (۶)

میں تو صرف اس لیے بھیجا گیا ہوں تاکہ اخلاق کی تکمیل کروں۔

ایک اور مقام پر حسن خلق کو ایمان کی تکمیل کی شرط قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

أکمل المؤمنین إیماناً أحسنھم خلقاً۔(7)

مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی علامت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

أحب عباد اللہ إلی اللہ أحسنھم أخلاقاً۔ (8)

اللہ کے بندوں میں اللہ کا سب سے پیارا بندہ وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔

علامہ اقبال اور اخلاقی تعلیمات

علامہ اقبال کی ساری فکر کی بنیاد قرآن و حدیث پر ہے۔ اس لیے ان کے اشعار میں ہمیں قرآن و حدیث کی تفسیر نظر آتی ہے۔ علامہ اقبال کے ہاں اخلاقی اقدار کی بہت اہمیت ہے۔ وہ امت مسلمہ کے زوال کا سبب بھی اخلاقی تعلیمات سے دوری کو قرار دیتے ہیں۔ علامہ اقبال کے نزدیک اخلاق و کردار ایسی دولت ہے کہ جو انسانوں کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ جس کے پاس یہ دولت نہیں اس کو جھنجھوڑتے ہوئے فرماتے ہیں:

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے

گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

علامہ اقبال کے نزدیک ایسا علم جس پر انسان عمل نہ کرے وہ بھی بلا مقصد ہے، ایسے علم کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں

جس علم کا حاصل ہے دو کف جو!!!

حضرت اقبال کا تصور علم، تصور اخلاق کے ساتھ مربوط ہے۔ وہ علم جو صرف شکم پری کے لئے ہو بلند معیار زندگی کے لئے نہ ہو یعنی علم برائے معاش ہو وہ زہر ہلاہل ہے۔ آپ جس علم کے داعی ہیں وہ انسان ساز، اخلاق ساز، کردار ساز اور شخصیت ساز ہونا چاہئے۔ یہی سبق انہوں نے اپنے مرشد گرامی حضرت رومی سے سیکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

علم را بر تن زنی مارے شود

علم را بر جاں زنی یارے شود

علم اگر تن پر وارد ہو تو یہ سانپ ہے اور علم اگر جاں پر وارد ہو تو یہ یار و مددگار بن جاتا ہے۔

تعمیر خودی، تعمیر اخلاق، تعمیر کردار ہی کا نام ہے۔ اگر فن میں جوہر اخلاق ابھارنے کی صلاحیت نہیں، داعیات لہو تلف کرنے کی طاقت نہیں تو صورت گری ہو، شاعری ہو، نغمہ آرائی ہو سب از کار رفتہ ہیں۔

علامہ اقبال کا نظریہ اخلاق

ہر قوم ہر مذہب اور ہر زمانہ میں اخلاق پر زور دیا گیا ہے. روحانی ہو یا مادی کسی قسم کی ترقی بھی بغیر اعلیٰ اخلاق کے ممکن نہیں۔ ترقی کی عمارت جن بنیادوں پر استوار ہے ان میں ایک اخلاق ہے۔ ترقی کے دوسرے عناصر اور اخلاق میں عمل اور رد عمل کا تعلق ہے دوسرے عناصر اخلاق کو آگے بڑھاتے ہیں اور اخلاق دوسرے عناصر کو، اس طرح انسانیت شاہراہ ترقی پر گامزن رہتی ہے اخلاق کی اہمیت کے پیش نظر اقبال نے اپنی مختلف تحریروں اور اشعار میں اس پر بہت کافی زور دیا ہے۔

آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس ۱۹۳۰ء میں خطبہ صدارت میں فرمایا:

”یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بحیثیت ایک اخلاقی نصب الدین اور نظام سیاست کے (اس آخری لفظ سے میرا مطلب ایک ایسی جماعت ہے جس کا نظم و انضباط کسی نظام قانون کے ماتحت عمل میں آتا ہے اور جس کے اندر ایک مخصوص اخلاقی روح سرگرم کار ہو) اسلام ہی وہ سب سے بڑا جزو ترکیبی تھا جس سے مسلمانان ہند کی تاریخ حیات متاثر ہوئی۔ اسلام ہی کی بدولت مسلمانوں کے سینے ان جذبات و عواطف سے معمور ہوئے جن پر جماعتوں کی زندگی کا دار و مدار ہے اور جن سے متفرق و منتشر افراد بتدریج متحد ہو کر ایک متعیز و معین قوم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور ان کے اندر

ایک مخصوص اخلاقی شعور پیدا ہو جاتا ہے... کیونکہ اسلامی تمدن کے اندر ایک مخصوص اخلاقی روح کار فرما ہے۔"(9)

اقبال کے نزدیک اخلاق کا دائرہ بہت وسیع ہے وہ اخلاقی اقدار کو زندگی کے دوسرے شعبوں کی اقدار سے علیحدہ نہیں کرتے وہ زندگی کو ایک وحدت مانتے ہیں جسے دنیا اور دین کے مختلف خانوں میں منقسم نہیں کیا جا سکتا۔

"اگر صحیح الدماغ انسانوں کا زبردست اجتماع موجود ہے اور ان کے دلوں میں جذبات کی گرمی ہے تو ان ہی کے اندر وہ اخلاقی شعور پیدا ہو جائے گا جسے لفظ "قوم" سے تعبیر کرتے ہیں۔... یہ ایک نہایت ہی طویل اور صبر آزما عمل ہے اس لئے کہ اس کا مطلب انسان کی زندگی کو عملاً ایک نئے سانچے میں ڈھالنا ہے اور اس کے جذبات و احساسات کی دنیا کو یکسر پلٹ دینا ہے۔"(10)

غرض ہم دیکھتے ہیں کہ اقبال نے انسانی زندگی میں اخلاق کی اہمیت واضح کی۔ اس میں اخلاقی شعور پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنا نظریہ پیش کیا۔ نہ صرف اجمالاً بلکہ تفصیلاً۔ دوسرے نظریات کی طرح اقبال نے اپنا نظریہ اخلاق بھی اسلام سے لیا۔

خودی اُم الفضائل

علامہ اقبال کے نزدیک خودی اُم الفضائل ہے۔ ان کے تصور اخلاق کا مرکزی نکتہ تصورِ خودی ہے جس میں انہوں نے چار بنیادی اخلاقی اقدار عشق، فقر، جرأت اور حریت کا پیغام دیا ہے۔ علامہ اقبال نے استحکام خودی، اثبات خودی اور خودی کی نفی کو قرآن کریم کی ہدایت کی روشنی میں اسلامی اور مغربی اخلاقی روایات کے حوالے سے جدید انداز میں پیش کیا ہے۔ اقبال کے تصور اخلاق کی تمام تر اٹھان اور مآخذ دراصل انسان، خدا اور کائنات کے وجود میں آنے سے لے کر بقائے دوام اور فکری آزادی کے تناظر میں ہے۔

وہ اخلاقی مفکرین جو مقصد پر زور دیتے ہیں غائیتی کہلاتے ہیں۔ ان نظریات کے لحاظ سے ہماری زندگی کا مقصد اعلیٰ یعنی اُم الفضائل معیار اخلاق ہے۔ پھر اُم الفضائل کے حوالے سے غائیتی مفکرین بہت سے گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ غائیتی مدرسۂ فکر کے مفکرین نے اس سوال کا جواب مختلف طور پر دیا ہے۔ لذت، مسرت، طاقت، حسن، محبت، علم، معاشرہ کی ترقی، سماج کی صحت اور اس میں توازن تکمیل ذات، فنا فی اللہ قرب الی اللہ ان میں سے چند جوابات ہیں۔

اقبال اپنے نظریہ اخلاق میں غائیتی ہیں۔ آپ کے ہاں "اُم الفضائل" خودی کی بلندی انا کی توسیع انفرادیت کی تکمیل، شخصیت کا استحکام۔ تکاثفی و تجاذبی حالت کا قیام ہے۔ اقبال خودی کے استحکام کو مقصد بالذات مانتے ہیں نہ صرف مقصد بالذات بلکہ وہ مقصد اعلیٰ کہ تمام دوسرے مقاصد اور اقدار اس مقصود کو حاصل کرنے کے لئے صرف ذرائع ہیں۔ مرکز حیات انسان میں "انا" یا شخصیت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ شخصیت ایک تکاثفی اور تجاذبی حالت ہے جو اس نظاثف کو قائم رکھنے سے ہی قائم رہ سکتی ہے۔ اگر تکاثفی اور تجاذبی حالت قائم نہ رہے تو اضمحلال واقع ہو جائے گا۔ شخصیت یا تکاثفی و تجاذبی حالت کا قیام انسان کا قیمتی کارنامہ ہے اس لیے اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ اضمحلال کی طرف نہ لوٹ جائے۔ جو شے اس تکاثفی و تجاذبی حالت کو قائم رکھنے کا باعث ہو وہی ہمیں غیر فانی بنا دینے کا باعث ہے جو شے شخصیت کو استحکام بخشے اچھی ہے اور جو اس کو کمزور کرے بڑی ہے۔ فنون، مذاہب اور اخلاقیات کا فیصلہ شخصیت کے نقطۂ نظر سے ہی کرنا چاہیے۔

علامہ اقبال نے تربیتِ خودی کے لیے تین مراحل بتائے ہیں۔ پہلا اطاعت، دوسرا ضبطِ نفس اور تیسرا نیابت الٰہی۔ نیابتِ الٰہی پہلے دونوں مرحلوں کا منطقی نتیجہ ہے۔ پس جو فرد اطاعت و ضبطِ نفس کے عمل میں کامل نہیں، وہ عناصر کائنات کا مسخر نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اس میں روحِ اعتدال پیدا نہ ہو گی۔ یہ روح اعتدال ساری قوت کا سرچشمہ ہے۔ پس نائب الٰہی کے مقام پر وہی شخص فائز ہو گا جو احکام خداوندی کا سب سے زیادہ پابند ہو گا۔

اقبال ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"اخلاقیات اسلام کا تمام دار و مدار اس واحد مسئلہ پر ہے کہ فرد من حیث الفرد کیا حیثیت رکھتا ہے زندگی کا کوئی طرز عمل ہا روبہ جو فرد کے آزادانہ ارتقاء و عروج کے راستہ میں حائل ہو، وہ شریعت اسلامیہ اور اخلاقیاتِ اسلام کے قطعاً خلاف ہے۔"(۱۲)

علامہ اقبال کے خیال میں یورپی تہذیب و تمدن کے برعکس اسلام کا فلسفہ اخلاق پوری نوع انسانی کو اللہ کا کنبہ تصور کرتا ہے۔ دین اسلام پورے نوع انسان کے اتحاد و اتفاق کا داعی ہے اس بے نظیر تصور اخلاق کے بموجب تمام انسان بلا لحاظ مذہب و ملت، رنگ و نسل، نفس، تحفظ ذات اور روحانی استخلاص کی اعلیٰ قدروں کے برابر حقدار ہیں علامہ اقبال نے اپنے منفرد تصور خودی کی جو صفات بیان کی ہیں ان کو اپنانے سے انسان دراصل اعلیٰ اخلاقی مراتب پر پہنچ سکتا ہے اسی لئے آپ "ارمغان حجاز" میں کہتے ہیں کہ:

مسلمان از خودی مردِ تمام است

بخا کش تا خودی میر د غلام است

اگر خود را متاع خویش رانی

نگہ را جز بخود بستن حرام است(۱۳)

یعنی خودی ہی سے مسلمان ایک مرد مومن ہے۔ جب وہ خودی سے عاری ہو جاتا ہے تو وہ غلامی کا شکار ہو جاتا ہے۔ علامہ کے نزدیک اگر کوئی شخص خود کو اپنی متاع یا دولت و سرمایہ سمجھتا ہے تو اس کے لیے دوسرے سے توقعات رکھنا حرام ہے۔ آپ کا پیغام ہے "اپنا مقام خود پیدا کر اور کسی کا دست نگر نہ بن۔"

اس ضمن میں علامہ اقبال نے صرف نظریہ ہی پیش نہیں کیا بلکہ اس کے حصول کے لئے قواعد و ضوابط بھی بتاتے ہیں۔ مثلاً خودی کے استحکام کے لئے وہ اطاعت، ضبط نفس اور فریضۂ نیابت الٰہی کو لازم و ملزوم قرار دیتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان ضوابط پر عمل پیرا ہونے سے اخلاق کی بنیادیں استوار ہونا شروع ہوتی ہیں۔

اخلاقی تربیت کے لئے علامہ نے انفرادی اور اجتماعی دونوں اقسام بیان کی ہیں۔ انفرادی تربیت کے لئے انہوں نے سب سے پہلے عشق کو ترجیح دی ہے انسان کو ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کے لئے سب سے پہلے اپنے ماحول سے آمادہ پیکار ہونا پڑتا ہے اس پر سے پہلے اپنے ماحول سے آمادہ پیکار ہونا پڑتا ہے اس پر فتح یاب ہو کر اعلیٰ مقاصد متعین ہو سکتے ہیں عشق ان مقاصد کو نہ صرف تخلیق کرتا ہے بلکہ ان کے حصول میں ایک فردکار ہنما بن جاتا ہے۔

دراصل خودی کے استحکام کے لئے عشق ایک لازمی شے ہے بال جبرئیل میں علامہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ

عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام (۱۴)

دوسری انفرادی تربیت کے لئے علامہ عقل کو لازمی شرط قرار دیتے ہیں کیونکہ عشق و محبت کے ساتھ عقل، نظر اور علم و ہنر کا ہونا بھی لازمی ہے اگرچہ علامہ نے عقل کو کوتاہیوں اور خامیوں پر اپنے کلام میں بہت کچھ کہتا لیکن وہ عقل و خرد کی اللّٰہیت سے قطعاً انکار نہیں کرتے بلکہ اپنے شہرۂ آفاق انگریزی خطبات کا آغاز انہوں نے " Knowlege and Religious Experience" ہی کے عنوان سے کیا ہے۔ اور بال جبرئیل میں آپ نے کھل کر کہا ہے کہ

خرد نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ

سکھائی عشق نے مجھ کو حدیث رندانہ (۱۵)

مرد کامل کے لئے علامہ دونوں صفات کو لازم و ملزوم قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ

حلقہ، آفاق میں گرمئ محفل ہے وہ (16)

اخلاق سازی اور کردار سازی کی تیسری شرط اقبال فقر کو قرار دیتے ہیں فقر سے مراد غریبی و مسکینی کے نہیں بلکہ فقر و استغنا اور بے نیازی ہے اگر مادی وسائل نہ ہوں تو گلہ نہ کیا جائے اور اگر ہوں تو زیادہ کی ہوس نہ کی جائے علامہ اقبال فقر کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں:

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رياضت

ما امینیم ایں متاع مصطفی است

فقر مومن چیست؟ تسخیر جہات

بندہ از تاثیر او مولا صفات

مرا فقر بہتر ہے اسکندری سے

یہ آدم گری ہے وہ آئینہ سازی

اخلاق کو محکم و مستحکم بنانے کے لئے ایمانیات پر یقیں لازمی ہے سک و تخمین و ظن سے مبرا ہونا ضروری ہے وہ اپنی شخصیت اور خلیفۃ الارض ہونے پر یقین و قوت حاصل کرتا ہے، اس لئے اقبال یقین محکم پیدا کرنے کے لئے ایک مسلمان کو یوں تلقین کرتے ہیں:

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زبان تو ہے

یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

یقین محکم کے نتائج سے وہ ہمیں یوں آگہی دلاتے ہیں

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں

جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

اسی طرح جب ایک فرد مذکورہ بالا خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ ہو جاتا ہے تو اس کا یہ فرض بن جاتا ہے کہ جب ملت اور قوم سے اُس کا تعلق پیدا ہو جائے تو اسے بھی ایسے اجتماعی اخلاق سے آراستہ کرے کہ وہ امن و سکون اور آرام و راحت کی زندگی بسر کرے۔

حکیم الامت علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ کے افکار و نظریات اور تصورات کو یکجا کر لیا جائے تو حاصل تصورات جمیع "تصور اخلاق اسلامی"

ہے۔ تصور خودی، تصور بے خودی، تصور انسان کامل، تصور شاہین اور تصور فقر کا حاصل تصور اخلاق اسلامی ہے۔

ہے نور تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں

ظالم تو ذرا صاحب ادراک نہیں ہے

علامہ اقبال نے اپنا فلسفہ خودی قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے لیا ہے:

وَلَاتَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ.(17)

اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کو بھلا بیٹھے پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی جانوں کو ہی اُن سے بھلا دیا (کہ وہ اپنی جانوں کے لئے ہی کچھ بھلائی آگے بھیج دیتے)

جو شخص اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے نتیجتاً وہ اپنی ذات کو بھی بھول جاتا ہے۔ یہ نسیانِ ذات تقاضا ہائے حیوانیہ کا نسیان ہے نہیں؟ یہ تقاضا ہائے جسمانیہ کا نسیان ہے نہیں؟ اس مقام پر نسیان سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: تقاضا ہائے روحانیہ، حقیقتِ باطنیہ اور اخلاقیہ کا نسیان ہے۔ مفہوم مخالف عرفان ذات ہوا۔ عرفان ذات، تشکیل ذات ہے، تشکیل ذات تعمیر اخلاق ہے۔

قرآن کریم ہمیں اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا ہے۔ تزکیہ نفس، پاکیزگی اخلاق، تطہیر اخلاق کا دوسرا نام ہے۔

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. (۱۸)

اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے.

اس آیت مبارکہ میں تزکیہ کو مقدم اور تعلیم کتاب کو موخر رکھا گیا ہے اس سے اخلاق وتزکیہ کی غیر معمولی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ جو تعلیم، تزکیہ کے بغیر ہو وہ شجر بے ثمر کی طرح ہے۔

علامہ اقبال نے جس طرح قرآن کریم کو حرز جان بنائے رکھا اسی طرح مطالعہ احادیث مبارکہ بھی برابر مطالعات اقبال میں رہیں۔ کلام اقبال کا گہرائی سے مطالعہ کرنے سے ہزار ہا شواہد ملتے ہیں کہ اقبال کا تصور اخلاق، فرامین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست اکتساب نور ہی سے مستعار ہے۔

کلام اقبال اور اخلاق اسلامی

علامہ اقبال رحمہ اللہ نے قرآن وسنت کی تعلیمات کا پرچار کیا ہے۔ اب آپ کے کلام کی نمایاں خصوصیات بیان کی جاتی ہیں جو آپ نے اسلامی اخلاق کے حوالے سے ارشاد فرمائی ہیں:

1۔ رفق ورحمت

ایک مومن کو نرم دل ہونا چاہیے اور اگر اس کو کسی مومن کی طرف سے کوئی سخت بات بھی پہنچے تو اس کو رویہ درشت نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن حکیم میں مومنین کو یہی حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا. (۱۹)

"عام لوگوں سے (بھی نرمی اور خوش خُلقی کے ساتھ) نیکی کی بات کہنا"۔

اسی حکم ربی کو علامہ اقبال نے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو

رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

آج ہمارے احوال زندگی کیا ہیں۔ علم کے بڑے مدعیان کی زبانیں کیا کیا گل کھلا رہی ہیں۔ سختی کرختی، تلخی، شدت اور حدت فطرت ثانیہ بن گئی اور اس سب کے باوجود خیر کے طالب ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ چٹورپن چھوڑیں اور فکر اقبال کے عملی پہلوؤں پہ توجہ مرکوز کریں۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

ایک اور مقام پر مومنین کی آپس میں محبت اور حسن سلوک کو خوبصورت پیرائے میں بیان کرتے ہیں:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

قرآن حکیم نے اسی تصور رفق ورحمت کو "أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" سے بیان فرمایا ہے۔ اپنوں میں پیکر ان رحمت ہیں۔ آج ہمارا تصور جلال وجمال، مسخ شدہ، خود ساختہ اور خود پرداختہ ہے۔ آنکھ سرخ، چہرہ پر وحشت، تاثر پر غضب، بات بات پر ستم کے کوڑے برسیں، زبان شعلہ بار ہو، حضرت اقبال خود ایسے ہرگز نہ تھے۔ وہ تو چوزے ماردے کوئی تو ماہی بے آب ہو جاتے تھے بقول خالد نذیر "اقبال درون خانہ" بچہ بھی ان سے ہم کلام ہو تو ذرا خوف نہ محسوس کرے۔

2۔ محبت والفت

اسلام وہ دین ہے جس میں رب تعالیٰ رحمٰن ورحیم اور رسول ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ اس دین کے ماننے والوں کو بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی

پیکر رحمت و شفقت بن جائیں اور آپس میں ایک دوسرے سے محبت کریں۔ علامہ اقبال اس فکر کو یوں بیان کرتے ہیں:

اس کی نفرت بھی عمیق، اس کی محبت بھی عمیق

قہر بھی اس کا اللہ کے بندوں پہ شفیق

نفرت اور محبت کے جو پیمانے ہم نے وضع کر رکھے ہیں وہ عمیق نہیں بلکہ رکیک ہیں۔ ہلکے ہیں، گھٹیا ہیں۔ ہماری نفرت، نفس کی پوجا پاٹ کے علاوہ کیا؟ ہمارا معیار محبت ہوس زر کی مالا جپنا ہے۔ جس کا قہر شفیق ہو تو اس کی محبت کا عالم کیا ہوگا۔۔۔ جن کی محبت قہر کو شرما دے ان کے قہر میں قہر چنگیز عیاں ہو گا۔ کیا آج ہم اقبال دعوی خوانی کے علاوہ کچھ ہیں۔ وہ فرماتے تھے:

یہ مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی

اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

اخوت کا درس دیتے ہوئے حضرت اقبال فرماتے ہیں:

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے نوع انسان کو

اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا

۳۔ یقین محکم

ایک مومن کا اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین ہوتا ہے اور ایمان کامل ہی تب ہوتا ہے جب انسان کو پختہ یقین حاصل ہو جائے۔ قرآن کریم میں اسی یقین کا حکم آیا ہے۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ (۲۰)

اسی طرح حدیث جبرائیل میں عبادت کو اس یقین سے کرنے کا حکم آیا ہے کہ انسان یہ محسوس کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہے۔

أن تعبد الله كأنك تراه (۲۱)

اگر انسان کو یقین کی یہ کیفیت حاصل نہ ہو تو بعض عرفاء تو کہتے ہیں کہ انسان کی عبادت رائیگاں ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبال اسی یقین پر زور دیتے ہیں اور ایک مرد مومن کی صفات میں اس کو لازم قرار دیتے ہیں۔

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم

جہاد زندگانی میں یہ ہی مردوں کی شمشیریں

یقین سے انسان کو حاصل کیا ہوتا ہے؟ علامہ فرماتے ہیں یقین سے انسان کو وہ ثمر ملتا ہے جس سے ایک درویش بادشاہوں سے بھی بڑھ کر مقام و مرتبے کا حامل ہو جاتا ہے۔

یقیں پیدا کر اے ناداں، یقیں سے ہاتھ آتی ہے

وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

علاج ضعف یقیں اس سے ہو نہیں سکتا

غریب گرچہ ہیں رازی کے نکتہ ہائے دقیق

حضرت اقبال رحمہ اللہ ضعف یقین جو ضعف شخصیت کا سبب ہے اس کا حل چاہتے ہیں۔ شک وار تیاب میں الجھ کر بے ربطی کردار پیدا ہوتی ہے۔ وہ نکتہ ہائے دقیق، باریک، عمیق، عجیب کارد کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار

غلامی سے بدتر ہے بے یقینی

حضرت اقبال بے یقینی کو غلامی سے بدتر قرار دیتے ہیں کہ غلامی جسمانی قید ہے اور شک وہم ذہنی و روحانی قید ہے۔ آپ کے نزدیک بے یقینی کا مرض لاعلاج ہے۔ بے یقین شخص مرگ ناگاہ کا منتظر نگاہ ہوتا ہے، تذبذب ہر لمحہ اس کو دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے۔ آج ک مسلمان بے یقینی کا شکار ہیں۔ ہم ایمان کے مدعی ضرور ہیں لیکن وادی یقین میں ہمارا گذر تک نہ ہوا۔ ہم مذبذبین بین ذالک کے مظہر ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

شب خود روشن از نور یقین کن

ید بیضا بروں از آستیں کن

"اپنی تاریک رات زندگی کو شمع یقین سے روشن کرو، یقین ید بیضا ہے اس کو آستیں سے نکالو اور ماحول کو روشن کرو"۔

3۔ مساوات

ایک مومن اپنی ذات کو دوسروں سے برتر خیال نہیں کرتا کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے خطبۃ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا:

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لأسود علی أحمر ولا لأحمر علی أسود کلکم بنو آدم وآدم من تراب (۲۲)

کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی، کسی کالے کو گورے پر کسی گورے کو کالے پر فوقیت نہیں۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔

حضرت اقبال نے بنی نوع انسانی کے برابر ہونے کا درس ان الفاظ میں دیا ہے:

جو کرے گا امتیاز رنگ و خوں مٹ جائے گا

ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر

نسل اگر مسلم کی مذہب پہ مقدم ہو گئی

اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہگذر

اسلام کے عظیم درس مساوات کو کس خوبصورت انداز میں بیان فرماتے ہیں:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

رنگ و خوں کا امتیاز نسل انسانی کے لئے تباہی کا باعث ہے۔ نسل پسندی، رنگ پسندی، قومیت برتری، ذات فوقیت، دولت برتری نے تاریخ آدم پر کیا کیا ستم ڈھائے ہیں۔ خون کی ہولی کھیلی گئی اور دریا بہائے گئے۔

5۔ جہد مسلسل

حضرت اقبال کاہلی اور سستی کی زندگی کو موت سے تعبیر کرتے ہیں اور تحرک کو زندگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ کا یہ درس آپ کے کلام کا نمایاں وصف ہے۔ فرماتے ہیں:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

آپ کا یہ پیغام قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ کی تشریح ہے۔

وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (23)

حضرت اقبال رحمہ اللہ شخصیت، کردار کو مزین اخلاق عالیہ چاہتے ہیں۔ تحرک، عمل مسلسل، کاوش پیہم کے پیامی ہیں۔ کاہلی، تغافل، تساہل کے رد کرنے والے ہیں۔ فرماتے ہیں:

ہر کوئی ذوق مئے تن آسانی ہے

تم مسلماں ہو یہ انداز مسلمانی ہے

6۔ حیاء و غیرت

شرم و حیا اور غیرت و حمیت وہ صفات ہیں جو ایک مومن کے کردار کا لازمی حصہ ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حیا کے حوالے سے ارشاد فرمایا ہے:

الْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ (۲۴)

"حیاء سارے کا سارا خیر ہے"۔

حضرت اقبال بھی اسی حیا کو ایک مومن کے اخلاق کا لازمی جزو قرار دیتے ہیں۔

غیرت ہے بڑی چیز جہاں تگ و دو میں

پہناتی ہے درویش کو تاج سر دارا

7۔ سوز و گداز

ایک مومن کا دل خشیت الٰہی سے لرز اٹھتا ہے اور اس کی آنکھیں نمناک رہتی ہیں۔ اسے آخرت کی فکر اور اپنے مولا کی ناراضگی کا ڈر رہتا ہے۔ اسی کیفیت کو قرآن مجید یوں بیان کرتا ہے۔

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ (۲۵)

کیا ایمان والوں کے لیے (ابھی) وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کی یاد کے لیے رِقّت کے ساتھ جھک جائیں اور اس حق کے لیے (بھی) جو نازل ہوا ہے اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ان پر مدت دراز گزر گئی تو اُن کے دل سخت ہو گئے، اور ان میں بہت سے لوگ نافرمان ہیں o

حضرت اقبال مومن کی اسی کیفیت کو مختلف مقامات پر بیان کرتے ہیں اور مومن کے اندر یہ وصف دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس کا دل نرم ہو اور آنکھیں خشیت الٰہی کی وجہ سے ہمیشہ تر رہیں۔

حدیث بندہ مومن دلآویز

جگر پر خوں، نفس روشن نگہ تیز

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

تر آنکھیں تو ہو جاتیں ہیں پر کیا لذت اس رونے میں

جب خون جگر کی آمیزش سے اشک پیازی ہو نہ سکا

ان کی اپنی حالت بھی یہ تھی کہ راتیں گریہ زاری میں گزرتی تھیں۔ اسی کیفیت کو بیان کرتے ہیں:

اسی کشمکش میں گذریں مری زندگی کی راتیں

کبھی پیچ و تاب رازی کبھی سوز و ساز رومی

حضرت اقبال رحمہ اللہ ایک مومن میں جن اقدار عالیہ اور اخلاق عظیمہ کی پیوندکاری چاہتے ہیں وہ شکستہ دلی، خستہ دلی، رقت قلبی، ٹوٹا ہوا آئینہ وہ اشکوں کی برسات چاہتے ہیں۔ وہ آنکھوں کے آب گینوں کو چھلک چھلک جانے والا چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

سوز صدیق و علی از حق طلب

جب سے سوز و گداز ہماری زندگیوں سے نکلا ہم پتھر کے پتھر ہو گئے بلکہ اشد قسوۃ کے مصداق ہیں۔ ہم اوروں کو رلاتے ہیں خود کب روتے ہیں۔ حضرت اقبال تو فرماتے ہیں:

عطار ہو، رومی ہو، غزالی ہو، رازی ہو

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

آج آہ سحر گاہی رخصت ہوئی۔ ہمارے پاس تو آہ صبح گاہی بھی نہیں، آہ شام گاہی بھی نہیں، زندگیوں میں تبدیلیاں کیونکر آتیں؟

8۔خوف ورجاء

ایک مومن اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور یہ اصول ہے کہ جو شخص جس سے محبت کرتا ہے وہ ہمیشہ اس کی رضا کا طالب رہتا ہے اور یہ کوشش کرتا ہے کہ اس کا محبوب اس سے ناراض نہ ہو جائے۔ پس ایک مومن بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی کئی صفات بیان فرمائی ہیں جن میں صفت رحمت بھی ہے جس کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پر امید رہتا ہے کہ وہ کریم مولا اسے معاف فرما دے گا مگر دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی صفات جبروت اور صفات قہاریت بھی ہے۔ جس کی وجہ سے بندہ ہر وقت اس کیفیت میں بھی رہتا ہے کہ نجانے اس کی عبادات قبول ہوئی بھی ہیں یا نہیں اور نجانے اس کو کون سا فعل مولا کی ناراضگی کا باعث بن جائے اس لیے وہ خوف کی کیفیت میں رہتا ہے۔ اسی کو علامہ اقبال یوں بیان فرماتے ہیں:

خوفِ حق عنوان ایمان است و بس

خوفِ غیر از شرک پنہاں است و بس

فارغ از خوف و غم و سواس باش

پختہ مثل سنگ شو الماس باش

تا کجا ایں خوف و وسواس و ہراس

اندریں کشور مقام خود شناس

امید کی ترغیب دے رہے ہیں اور ناامیدی سے روک رہے ہیں کیونکہ ناامیدی سے انسان کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

نہ ہو نومیدی زوال علم و عرفاں سے

امید مرد مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

نرم گفتگو:

مومن کا ایک وصف یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کی گفتگو سلجھی ہوئی، لہجہ شائستہ اور نرم ہوتا ہے۔ اس میں تندی اور کرختگی نہیں ہوتی۔ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو تاکید کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ جن فرعون کے پاس جاؤ تو اس سے نرم لہجے میں گفتگو کرنا کیونکہ نرم لہجہ دوسرے کے دل میں گھر کر جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَقُولَا لَهُۥ قَوۡلٗا لَّيِّنٗا لَّعَلَّهُۥ يَتَذَكَّرُ أَوۡ يَخۡشَىٰ (۴۴)

سو تم دونوں اس سے نرم (انداز میں) گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔

نرم خوئی ایک نہایت پسندیدہ خصلت ہے جو دوران گفتگو سنجیدگی، وقار اور متانت کا باعث ہوتی ہے۔ سخت مزاجی کلام کو درجہ متانت سے نیچے گرا دیتی ہے۔ ایسی گفتگو جس میں محبت اور نرمی کی چاشنی ہو دلوں کی تسخیر میں اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔

حضرت اقبال بھی اپنے کلام میں جا بجا ایک مرد مومن کو نرم لہجہ اپنانے کی تلقین کرتے ہیں۔

اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل

اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دل نواز

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو

رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل پاک باز

وہ رزم گاہِ حیات میں شمشیر بے نیام ہو تا ہے تو شبستان محبت میں کوئی دوسرا اس سے زیادہ نرم نہیں ہو سکتا۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

نتائج بحث

۱۔ علامہ اقبال رح کی تمام شاعری کی بنیاد قرآن و سنت کی تعلیمات پر ہے۔

۲۔ حضرت اقبال کی شاعری کا مقصد معاشرے اور نفوس کی اصلاح تھا۔

۳۔ حضرت اقبال کی شاعری نے معاشرتی بگاڑ کی اصلاح میں اہم کردار ادا کیا۔

۴۔ آج کے عصری اخلاقی مسائل میں علامہ اقبال کی تعلیمات ہماری راہنمائی کر رہی ہیں۔ آپ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر بہت سے فکری، معاشرتی اور اخلاقی مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے۔

سفارشات

۱۔ حضرت اقبال رح کی تعلیمات کو عام کیا جائے تا کہ اس وقت معاشرے میں جو بگاڑ آ چکا ہے اس کی اصلاح کی جا سکے۔

۲۔ علامہ اقبال کے کلام کے فروغ کے لیے حکومتی سطح پر اور نجی سطح پر مختلف کانفرنسز، سیمینارز کا انعقاد کیا جائے تا کہ آپ کی فکر کو عام کیا جا سکے۔

۳۔ علامہ اقبال کی فکر کے مختلف پہلوؤں پر مختلف یونیورسٹیز میں تحقیق کرائی جائے اور پھر ان تحقیقی مقالہ جات کو حکومتی سطح پر شائع کرایا جائے تا کہ فکر اقبال عام ہو۔

مصادر و مراجع

(۱)اصفہانی، ابو قاسم حسین بن محمد راغب (م ۵۰۲ھ /۱۱۰۸ء)۔ المفردات فی غریب القرآن۔لاہور، المکتبہ قاسمیہ، ۱۹۶۳ء، ص:۲۹۶

(2)غزالی، حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی (۵۰۵ھ)۔ إحیاء علوم الدین۔ مصر: مطبعہ عثمانیہ، ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء، ج:۳، ص:۵۲

(۳)الفرقان، ۲۵: ۶۳ تا ۷۴

(۴)القلم، ۶۸:۴

(۵)التوبہ، ۹: ۱۲۸

(۶)حسام الدین ہندی، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ کنز العمال۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۹/ ۱۹۷۹ء، ج:۲، ص:۵

(7)خطیب التبریزی، مشکوۃ المصابیح، ج:۲، ص:۵۳۳

(8)ایضاً، ۲: ۶۳۹

(9)حرف اقبال، ص:۱۸

(10)حرفِ اقبال، ص:۲۶

(11)ایضاً، ص:۲۵۱

(۱۲)سعید احمد رفیق، اقبال کا نظریۂ اخلاق، ۳۳

(۱۳)مسعود قریشی، ارمغان حجاز، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۵ء، ص: ۵۶

(۱۴)اقبال، محمد، علامہ، بال جبریل، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۶۲ء، ص:۱۲۷

(۱۵)اقبال، محمد، علامہ، بال جبریل، ص:۷۵

(16)ایضاً، ص:۱۳۲

(17)سورۃ الحشر:19

(۱۸)سورۃ آل عمران، 3 : 164

(۱۹)سورۃ البقرہ:83

(۲۰)سورۃ الحجر:99

(۲۱)البخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الإیمان والإسلام، رقم الحدیث:50

(۲۲)مسند احمد بن حنبل، رقم الحدیث:23972

(23)سورۃ النجم:39

(۲۴)مسلم، الصحیح، رقم الحدیث:37

(۲۵)سورۃ الحدید:۱۶

(۲۶) (سورۃ طٰہٰ:۴۴)